OPEN ACCESS
Al-Nasr
ISSN (Online): 2958-9398
ISSN (Print): 2959-1015
https://alnasrjournal.com

مشرق وسطیٰ میں امن وامان کے عصری مسائل: تنقیدی جائزہ

A critical Analysiss of Contemporary Peace Issues in the Middle East

Dr. Ahmad
Assistant Professor of Islamic Studies, Punjab University of Technology, Rasul Mandi Bahauddin
Dr. Muhammad Shafeeq
HOD, Department of Islamic Studies, The Green International University, Lahore
Saba Yousuf
Doctoral Candidate, Department of Islamic Studies, The University of Lahore, Lahore

Abstract

The Muslim Ummah has much more problems in the contemporary era. Although, Islam teaches the Muslims to be united, but they are divided due to some reasons. This article is about Ummah's these interior issues. The narrative methodology is used in it. The Muslim rulers have become the political agents of Neocolonial System after the collapse of the Ottoman Empire. They took part in this tragedy and thus the formation of the so-called Israel, a Zionist state, easily took place according to the Crusaders preparation. The establishment of Muslim Caliphate's hope is running out due to the militant trends in the Middle East. Freedom fighters are declaring as terrorists and Islamic political parties are not allowed in politics while the militant groups like Islamic State of ISIS and Yemeni

CC BY

Houthi rebel etc. are ruling in Iraq, Yemen and Syria which are destabilizing countries now. The mutually cold war of the Gulf States hollowing out each other and increased opportunities for Uni-Polar Power who wants to fix Bloody Borders. Lack of unity in the Ummah and inability of our rulers are the cause of crisis of leadership of Muslim countries. The Shiites and Sunnis sectarian conflicts replaced as Rafziyat and Nasbiyat. These both extremist groups want to control the two holy cities of Islam. Iranians should not miss the brilliant chance to regain Jerusalem, otherwise they should face the divine warning of Sufyani before Imam Mahdi.

Keywords: Houthi, Imam Mahdi, ISIS, Nasbiyat, Rafziyat, Shiites, Sufyani, Sunnis, Zionist.

تمہید

عصر حاضر میں امتِ مسلمہ کو بہت زیادہ مسائل درپیش ہیں، جن کی ایک اہم وجہ مسلمانوں کی باہمی نااتفاقی اور کشیدگی ہے۔ حال ہی میں چین اپنی سفارت کاری سے سعودیہ اور ایران میں حائل خلیج کو پاٹنے کے لیے بھاگ دوڑ کررہا ہے۔ اس کشیدگی کو امریکہ نے خوب ہوا دی تھی، اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے کہ مزید کوئی فساد کی چنگاری شعلے نہ بھڑکا دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام لیواؤں کو یکجا کرنے کی نمرودی کاوش دراصل فرعون صفت اسرائیل کی بالادستی کی سوچ تھی، اور اس کے برعکس اقدامات کو طاغوتی قوتیں ہضم نہیں کرسکتیں۔ یہ تحقیقی مضمون امتِ مسلمہ کے پُر مصائب مسائل اور ان کے اثرات کے بارے میں ہے، جسے بیانیہ انداز سے تحریر کیا گیا ہے۔ بیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی ربع میں مشرق وسطیٰ میں مسلمانوں کے باہمی قومی و لسانی تعصبات بہت بڑھ گئے تھے۔ 1914ء تا 1918ء برپا رہنے والی جنگ عظیم اول کے دوران یہود و نصاریٰ کی طرف سے کیے گئے اعلان بالفور کو عملی صورت دے دی گئی، نتیجتاً خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ایک ایسا نقطہ تحول ثابت ہوا جس سے بین الملل تعلقات میں امت مسلمہ کے ہاتھ سے بازی جاتی رہی۔ 1939ء تا 1945ء لڑی جانے والی جنگ عظیم دوم کے بعد مغربی تہذیب کے تخت پر برطانوی استعمار کی جگہ امریکہ، انکل سام بن کر براجمان ہوا، تو اس نے نو آبادیات سے آزادی کا غلغلہ مچا دیا جس کے پس پردہ نئی طرز کی ذہنی غلامی مقصود تھی یعنی عالم اسلام کو قومیتوں میں بانٹنے کا سلسلہ شروع کیا گیا جس سے مرکزیت کا خلاء پیدا ہوا۔ ممالک کی حدبندی کرتے ہوئے عجیب طرح سے قلم ہلے اور ڈنڈی ماری گئی۔ اس سے تقسیمِ ہند کے دوران ہجرت کے علاوہ فلسطین، کشمیر، بوسنیا، کوسووا اور میانمار جیسے انسانی مسائل ابھرتے رہے۔ ان کے حل کیلئے فعال مسلم ممالک نے اپنے تئیں کاوشیں کیں، لیکن انہیں اقوام متحدہ کی جانب سے تیمور اور سوڈان جیسے مسیحی مفادات کی طرح کے حل نہ مل سکے۔ مغربی تہذیب کی اولین عالمی طاقت برطانیہ کی لڑاؤ اور حکومت کرو کی استعماری پالیسی تھی۔ اسے مسلم ممالک کی

قائدانہ مساعی کا تخریبی حل سمجھ کر امریکہ نے بڑے پیمانے پر استعمال کیا۔ یوں خلیج فارس کے مسلم ممالک واقعی خلیجی ممالک کہلانے کے حقدار ٹھہرے ہیں، جن کے باہمی بغض و عناد اور متعصبانہ پالیسیوں نے امت مسلمہ کے وجود کو نڈھال کر دیا ہے۔

امت مسلمہ کی مرکزیت کا فقدان

عصر حاضر میں مسلمان اپنے بڑھتے مسائل کو حل کرنے کے لیے دیگر اقوام اور ممالک کے دست نگر بن گئے ہیں۔ آزادی کے بعد ان ممالک نے اتحاد کے بجائے مختلف بلاکوں میں تقسیم ہونا ضروری سمجھا تھا۔ دو قطبی نظام کی سرد جنگ میں مسلمان ممالک نے باہمی اتفاق سے ایک نیا مرکز تشکیل دینے کے بجائے ماسکو اور واشنگٹن کی طرف دیکھنے کی روش اپنائی۔ اب مسلمان امریکی یک قطبی نظام میں چاہتے ہوئے بھی اپنا اسلامی کانفرنس کا پلیٹ فارم استعمال کرنے کی پوزیشن میں نہیں۔ اغیار کو کوسنے کے بجائے مسلمانوں کو اپنے گریبان میں جھانکنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ ایک وقت تھا کہ خلافتِ عثمانیہ مسلمانانِ عالم کا اجتماعی مرکز تھا۔ اس کے نام سے مغرب کانپ اٹھتا تھا، لیکن جب مسلمان گورے دماغ کے پھیلائے جال میں پھنس گئے، تو انہیں اپنے اردگرد مسلمان کے بجائے عربی، عجمی، سامی، آریائی، ترک اور کرد نظر آئے۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ تین براعظموں پر اپنا سکہ چلانے والے عثمانی سلطان کو ایشیائے کوچک میں اپنے صدیوں کے باجگذار یونان کے آگے جھکنا پڑا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران ابتدائی منصوبے میں اتحادیوں نے ترکی کی تقسیم یوں سوچی کہ آیا صوفیہ والا استنبول مشرقی آرتھوڈوکس کی وارث ملحد سوویت یونین کو، جبکہ بقایا اناطولیہ یونان کے حصے میں آنا تھا، لیکن ترکوں کی حریت پسندی منصوبے کے آڑے آئی اور جب ترکی کی آزادی بادل نخواستہ منظور کرنا پڑی تو اس کے گلے میں 1923ء میں معاہدہ لوزان The Treaty of Lausanne ڈال دیا گیا جس کی شق نمبر 12 کے مطابق ایشیاء کے ساحل سے محض تین میل سے بھی کم دور واقع جزائر پر ہی ترکی کی خود مختاری تسلیم کی گئی۔ یونان نے 1973ء میں شمالی ایجیئن سمندر Northern Aegean Sea میں تیل کی تلاش کے لئے سرگرم کمپنیوں کو اجازت دی تو مقابلتاً ترکی نے اپنی سرکاری تیل کمپنی کو قدرتی وسائل کی تلاش کے حقوق دیئے، اور بحیرہ ایجیئن کے ان علاقوں میں اس جستجو کے لیے جہاز بھیجے، جو معاہدوں کے تحت اب یونانی سمندر شمار ہوتے تھے۔ یوں ان بحر و بر پر ترکی نے باضابطہ اپنا حقِ دعویٰ کیا تھا۔[1] ترکی نے ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے 1974ء میں قبرص پر حملہ کر دیا۔ تب یونان اور ترکی کے مابین تعلقات اتنے ہی کشیدہ ہو گئے تھے جیسا کہ 1922ء میں جنگ عظیم اول کے بعد ان کے باہمی تعلقات تھے۔ ترکی کے ان نئے دعووں نے یونان میں ایک اہم قومی مسئلہ بنا دیا تھا جس کے حل کے لیے یونان عالمی عدالت انصاف بھی گیا لیکن قانونی سقم آڑے آئے۔[2] مسلمان آج بھی غافل ہیں کہ مسلمانوں کی باہمی عدم رواداری سے اغیار کے مفادات جلد بارآور ہوتے ہیں، جبکہ خسارہ ہمارے حصے میں آتا ہے۔ ملی دردمندی بہت بڑی دینی خدمت ہے جیسا کہ اٹھارویں صدی میں مغربی تاجروں کی دیدہ دلیری استنبول کی مارکیٹ تک در آئی تھی۔ گورے تاجروں کی من مانی قیمتوں کو دیکھتے ہوئے ترکی دانشور ابو طالب خان نے استنبول کی چلی آرہی تجارتی سبقت کے خاتمے کا اندیشہ ظاہر کیا تھا، اور اہل یورپ کی بری و بحری معلومات کے حصول کو تجارتی سبقت کی نیت سے مربوط بتایا تھا۔ ماحصل کے بعد اس کی تجویز تھی کہ یمن کے سواحل فی الفور عثمانی قبضہ میں لیے جائیں مبادا یورپی اقوام عالم اسلام پر تسلط جمالیں۔[3]

اغیار کے مہرے بننے پر اکتفاء

اجتماعی مسلم مرکز کے مقابلے پر ذاتی اقتدار کے لیے علاقائی لیڈروں نے مغربی طاقتوں کو اتحادی بنایا۔ اغیار کے پیش نظر اپنے مفادات تھے اور جو ایک نیا مرکز تشکیل دینے کے لیے شریفِ مکہ جیسے پست قامت لیڈروں کو اپنے کندھا پیش نہیں کر سکتے تھے، مبادا بعد میں یہ مقابلے پر آجائیں۔ جنگ عظیم اول کے دوران برطانوی استعمار نے اتحادیوں کی طرف سے ایشیائی محاذ ہندوستان سے سنبھالا ہوا تھا۔ فریق ثانی میں شامل خلافت عثمانیہ کی شکست وریخت کے لیے اس نے انٹیلی جنس کے ذریعے عربوں کو خلافت سے بیزار کرنے کا منصوبہ بنایا، اور خطے کے سربر آوردہ رہنما سازباز سے ساتھ ملالیے۔ برطانیہ نے عرب قومیت اور مختلف علاقائی وطبقاتی تعصبات ابھارنے کے لیے لارنس آف عریبیہ جیسے کرداروں پر مشتمل ایک وسیع نیٹ ورک قائم کیا ہوا تھا جس کا دائرہ کار استنبول تک پھیلا ہوا تھا۔ حجاز مقدس کو خلافت عثمانیہ سے الگ کرنا اس وقت برطانوی ایجنڈے میں شامل تھا۔ آل سعود صدیوں سے نجد کے علاقہ کے حکمران تھے۔ انہوں نے کسی دور میں بھی خلافت عثمانیہ کا حصہ بننا قبول نہیں کیا تھا بلکہ وہ مسلسل خلافت کے خلاف میدان جنگ میں محاذ آراء رہے، جبکہ مکہ مکرمہ کا حکمران ہاشمی خاندان تھا جس کے سربراہ حسین بن علی خلافت عثمانیہ کی طرف سے مکہ مکرمہ کے والی تھے، اور شریفِ مکہ کہلاتے تھے۔ عصر حاضر میں یہ دونوں خاندان بالترتیب حرمین شریفین اور مقبوضہ حرمِ ثالث کے متولی ہیں لیکن ان کی سیاست امت مسلمہ کے لیے مضر ہوگئی ہے، کیونکہ اپنی بادشاہی بچانے کے لیے یہ اپنوں کے لیے سخت اور غیروں کے آگے بچھے دکھائی دیتے ہیں۔ دونوں خاندانوں کے ساتھ 1918ء میں برطانوی نمائندوں کے باقاعدہ معاہدے ہوئے۔ بعد میں آل سعود کو زیادہ بااعتماد سمجھتے ہوئے نجد اور دیگر علاقوں کے ساتھ ساتھ حجاز مقدس کا علاقہ بھی دے دیا گیا، جس کے نتیجہ میں سعودی مملکت قائم ہوئی جبکہ شریف مکہ حسین بن علی کے ایک بیٹے کو اردن کے علاقے کا بادشاہ بنادیا گیا اور خود شریف مکہ عرب دنیا کی بادشاہت کی حسرت دل میں لیے دنیا سے رخصت ہوگیا۔[4]

صہیونی ریاست کا قیام

نازیوں کی طرف سے ساٹھ لاکھ یہودیوں کے ہولوکاسٹ نامی مبینہ قتل عام کے چند سال بعد، مقدس سرزمین پر یہودی ریاست کے قیام کا خواب پورا ہوگیا تھا۔ فلسطینی 1948ء کے اس واقعے کو نکبہ یا تباہی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ساڑھے سات لاکھ فلسطینیوں کو ان کی اپنی سرزمین سے بے دخل کرکے اسرائیل کا وجود عمل میں لایا گیا، اور ان فلسطینیوں کو اب تک واپس نہیں جانے دیا گیا۔ عربوں کی اسرائیل کے ہاتھوں شکست ایک ایسا تہلکہ خیز سیاسی واقعہ تھا جس کے بعد یہ خطہ اب تک عدم استحکام کا شکار ہے۔ شریفِ مکہ کا ہاشمی خاندان چونکہ نسلاً بعد نسلٍ مغرب کے اشارے پر چلتا آرہا ہے اس لیے فلسطین کے ایک علاقے کی حکومت پر چین کی نیند سو رہا ہے اور اپنے تئیں امت مسلمہ کی خلافت کا دعویدار بھی ہے چاہے اسے سفیانی کا کردار اداء کرنا پڑے۔ اردن کے فرمانرواشاہ حسین برطانیہ اور امریکہ کے قریبی اتحادی تھے۔ اردن وہ واحد اسلامی ملک ہے جو 1948ء کی جنگ میں فاتح رہا تھا۔ شاہ حسین کے داداشاہ عبداللہ کے یہودی ایجنسی سے خفیہ روابط تھے، جو برطانیہ کی حاکمیت والے فلسطینی علاقوں میں یہودیوں کی نمائندگی کرنے والی مرکزی تنظیم تھی۔ انہوں نے 1948ء میں پہلے سے طے شدہ برطانوی انخلاء کے بعد اس زمین کو آپس میں بانٹ لینے کا گٹھ جوڑ کر رکھا تھا۔[5] 2 نومبر 1917ء کو کیا جانے والا بالفور اعلامیہ یہودیوں کے لئے فلسطین میں ایک قومی وطن کے قیام کے لیے برطانیہ کی حمایت کا بیان ہے۔ اسے برطانوی سکریٹری خارجہ آرتھر جیمز بالفور نے

برطانیہ میں موجود صہیونی مالدار خاندان روتھ شیلڈ کے افراد کو ایک خط میں بیان کیا تھا۔ اس اعلامیے میں خصوصی طور پر یہ بیان کیا گیا تھا کہ ایسا کچھ نہیں کیا جائے گا جس سے فلسطین میں موجود غیر یہودی برادریوں کے شہری اور مذہبی حقوق تعصب کا نشانہ بنیں۔ اس اعلامیے سے صیہونیوں کے مابین پُر جوش امیدیں پیدا ہو گئیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالمی صہیونی تنظیم کے مقاصد کی تکمیل ہو گئی۔ برطانوی حکومت نے امید ظاہر کی کہ یہ اعلان پہلی جنگ عظیم کے دوران جرمن قیادت میں مرکزی طاقتوں کے خلاف اتحادی طاقتوں کے شانہ بشانہ کھڑے ہونے میں ریاستہائے متحدہ امریکہ میں یہودیوں کی رائے عامہ کو راغب کرے گا۔ انہوں نے یہ بھی امید ظاہر کی کہ برطانوی حامی یہودی آبادی کے فلسطین میں تصفیہ سے پڑوسی ملک مصر میں نہر سوئز تک پہنچنے والے راستوں کی حفاظت کی جا سکتی ہے اور اس طرح ہندوستان میں برطانوی نوآبادیاتی املاک تک مواصلاتی رابطے کو یقینی بنایا جا سکتا ہے۔

اتحادی طاقتوں نے بالفور اعلامیے کی حمایت کی تھی اور اسے نئی تشکیل شدہ لیگ آف نیشنز کے 24 جولائی 1922ء کو منظور کردہ فلسطین پر برطانوی مینڈیٹ میں شامل کیا گیا تھا۔ مئی 1939ء میں برطانوی حکومت نے 75000 مزید تارکین وطن کی حد اور 1944ء تک امیگریشن کا خاتمہ کی اپنی پالیسی میں تبدیلی کی سفارش کی۔ اس وائٹ پیپر میں زور دیا گیا کہ جب تک کہ خطے کے رہائشی فلسطینی عرب مزید امیگریشن پر راضی نہ ہوں، یہ پابندی جاری رکھی جائے۔ صہیونیوں نے برطانیہ پر عربوں کے طرفداری کا الزام عائد کرتے ہوئے نئی پالیسی کی مذمت کی۔ یہ نقطہ دوسری جنگ عظیم کے آغاز پر اٹھایا گیا تھا حتیٰ کہ 1948 میں ریاستِ اسرائیل قائم ہو گئی۔[6]

باہمی سرد جنگ سے کھوکھلے پن کی آشکاری

نونہال صہیونی ریاست کے قدم جمانے کے وقت مسلم حکمران کی پالیسیوں میں یکسوئی ناپید تھی۔ ان کی حربی تدابیر بغیر کسی تیاری کے تھیں، جو نتائج کے لحاظ سے تمام امت مسلمہ کے لیے مایوسی کی خبر لائیں۔ پہلے جمال عبد الناصر کی سعودی عرب اور اردن جیسے رجعت پسند بادشاہوں کے خلاف سرد جنگ تھی، لیکن وہ عراق میں عبد الکریم قاسم اور شام میں بعث پارٹی جیسے عرب قوم پرست ترقی پسند ہمنواؤں کے ساتھ بھی الجھ گیا۔ ایک وقت اس کا اثر و رسوخ عرب دنیا میں کمال کا تھا۔ 1967ء میں اسرائیل کے ساتھ عربوں کی اجتماعی فوجی مڈبھیڑ بھی بہت زیادہ نقصان دہ ثابت ہوئی۔ اس کے نتیجے میں ناصر کی علاقائی قیادت کا کردار ختم ہو کر رہ گیا۔ مشرق وسطی کی نئی سرد جنگ بہت آگے بڑھ گئی ہے جس میں غیر ریاستی اداکار اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔[7] علاقائی جنگجو گروہوں نے جابر سلطنتوں کی کمزوری عیاں کر دی ہے۔ یہ مشرق وسطیٰ کی ایک نئی سرد جنگ ہے کیونکہ اس کی ساخت میں 1950ء اور 1960ء کی دہائی کے مشرق وسطیٰ کے علاقائی تنازعات کے ساتھ اہم مماثلتیں ہیں۔[8] عربوں کی تاریخی شجاعت کی دھاک کو موجودہ عیاش شہزادوں نے سیلابی جھاگ میں بدل دیا ہے۔ سابق امریکی سفارت کار گیری گریپو Gary Grappo نے بتایا کہ "سعودی قیادت کو یہ وضاحت بیان کرنے کی بڑی ضرورت ہے کہ وہ ملک جو دفاعی اخراجات کے لحاظ سے تیسرے نمبر پر ہے، وہ باغیوں کے حملوں سے تیل کی انتہائی اہم وسائل کا دفاع نہیں کر سکتا۔"[9]

باہمی نفاق اور بغض و عداوت کی بڑھتی لہر

مسلمانوں کی باہمی چپقلش کے نتیجے میں تباہ حال خطے کی ناخواندہ ابھرنے والی نوجوان مسلم نسل کا مستقبل داؤ پر لگ گیا ہے۔ یمن کی جنگ امریکی مفادات کے لئے تباہ کن رہی ہے، کیونکہ حوثی باغی جنگ کے آغاز سے ہی یمن کی حدود سے باہر سعودی فوجی اڈوں کو نشانہ بنانے میں کامیاب رہے ہیں، جس سے ایرانی اثر ورسوخ میں اضافہ ہوا ہے۔ اس سے حوثیوں اور لبنان کے حزب اللہ کے مابین تعلقات مزید گہرے ہوئے ہیں۔ ساڑھے تین سالوں میں فوجی فتح نہ حاصل کرنے سے سعودی عرب کی ساکھ کو دھچکہ لگا ہے۔ اگرچہ ابھی تک امریکہ اور دیگر طاقتوں نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں، لیکن اکتوبر میں استنبول میں سعودی قونصل خانے میں صحافی جمال خشوگی کے قتل نے دنیا کی توجہ سعودی مملکت کے لاپرواہ طرز عمل پر مرکوز کردی ہے کیونکہ یہ یمن کی تباہ کن جنگ کو بھی اسی طرح پرکھ رہی ہے۔ اکتوبر 2018ء میں امریکی وزیر خارجہ مائیک پومپیو اور وزیر دفاع جیمس میٹیس نے لڑائی کے خاتمے کا مطالبہ کیا، اور اقوام متحدہ کے ذریعے تجویز کردہ امن مذاکرات کی عوامی حمایت کا اظہار کیا، لیکن یمن جیسی پیچیدہ صورتحال میں بات چیت کے ذریعے جنگ بندی میں وقت لگے گا، جس سے ملک میں اذیت اور خلیج میں اسٹریٹجک بحران مزید گہرا ہوگا۔ لہٰذا سعودی عرب کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اپنی فوجی مہم یک طرفہ بند کرے، اور حوثیوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ اس کا مثبت جواب دیتے ہوئے امن مذاکرات کے لئے ضروری حالات پیدا کریں۔[10]

عالمی طاقتوں کے لیے بندر بانٹ کے بڑھتے مواقع

مشرق وسطیٰ میں تنازعات کے خاتمے کے لئے ٹرمپ انتظامیہ کی جانب سے صدی کی ڈیل نامی مجوزہ امن منصوبے کا سرکاری طور پر اعلان نہیں کیا گیا تھا لیکن اسے ایک اسرائیلی اخبار Israel Hayom نے لیک کیا ہے۔ اس مبینہ معاہدے میں نیا فلسطین بنانے کی تجویز پیش کی گئی ہے، جس میں غیر قانونی اسرائیلی بستیوں کو چھوڑ کر غزہ کی پٹی اور مغربی کنارے کو شامل کیا جائے گا، اور یروشلم کے عرب باشندوں کو نئے فلسطین کا شہری سمجھا جائے گا۔ اس کے مطابق حماس معاہدے کے ایک سال بعد آزادانہ انتخابات کے انعقاد پر راضی ہوجائے گی، جس سے نیو فلسطین کی نئی حکومت کا تعین ہوجائے گا۔ یہ صہیونی حمایت کی پرانی بوتل میں نئے فلسطین کے لیبل سے مسحور کن شراب ہے۔ اخبار کے مطابق صحرائے سینا کے جنوبی کنارے سے متصل علاقے کو نیو فلسطین کے مفاد کے لئے مصر سے کرایہ پر لے کر ایک ہوائی اڈہ اور صنعتی زون بنایا جائے گا۔ مزید برآں غزہ اور مغربی کنارے کے مابین دونوں علاقوں کو آپس میں جوڑنے کے لئے ایک زمینی راہداری تعمیر کی جائے گی نیز دونوں جگہوں کے مابین زیر زمین پانی کی منتقلی ممکن ہوگی۔ مغربی کنارے کو وادی اردن، جسے اسرائیلی کنٹرول میں رہنا ہے، اور اسرائیل سے منسلک کرنے کے لیے دو راستوں سے جوڑا جانا ہے، سے پتہ چلتا ہے کہ غزہ کے علاقہ فلسطینیوں سے پاک کیا جائے گا، اور اسرائیل کو مغربی کنارے پر مزید کنٹرول فراہم کیا جائے گا۔[11] ایک دستاویز جاری کی گئی ہے جس میں مبینہ طور پر عرب اسرائیلی امن لانے کے خفیہ امریکی منصوبے کی تفصیلات فراہم کی گئی ہیں، جس میں ایک نیا فلسطین اور یروشلم دکھائی دے گا۔ وزارت خارجہ کے عہدیدار مبینہ طور پر اپنی آن لائن مواصلات میں ایک دستخط شدہ دستاویز پاس کرتے رہے ہیں، جس میں امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ اور ان کی انتظامیہ کے ذریعے جلد ہی صدی کے معاہدے کے امن منصوبے کے بارے میں بریفنگ نما پریزنٹیشن پیش کرنے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔[12] مسلمانوں کے مسائل کے حل میں مغربی لیت ولعل ہمیشہ سے رہی ہے۔ اقوام متحدہ ابتداء سے ہی عضو معطل بن گیا تھا جس کے اس مفلوج کردار کو سلامتی کونسل کے مستقل ارکان کی کھینچا تانی نے مزید

واضح کیا ہے۔ اس سے خطے کے شہریوں کی تکالیف کم نہیں، بلکہ بڑھ رہی ہیں۔ امریکہ بہادر اکیلا اس لاوارث خطے کا سرپرست بن گیا، لیکن وہ سوتیلے پن والا استحصال کر رہا تھا، لیکن اب اسے واک اوور نہیں ملے گا، کیونکہ روس شام میں موجود کلیدی عالمی طاقت اور واحد اداکار ہے جو اب بھی تمام فریقوں سے بات چیت کر رہا ہے۔ وہ کشیدگی کو بڑھاوا دینے سے یا چھوٹے پیمانے پر تنازعہ کو برقرار رکھنے کی کوششیں کر کے اپنی پوزیشن کو مستحکم کر سکتا ہے۔[13]

مستحکم ممالک میں تخریب وانتشار

نوآبادیاتی دور کے خاتمے کے بعد کئی مسلمان ممالک اپنے پاؤں پر کھڑے دکھائی دینا شروع ہوئے، لیکن اب وہ منتشر ہیں۔ عراق اور شام کی سرحدیں عملاً ختم ہیں اور حکومتوں کی رٹ یا قانون کی عملداری کا تصور باقی نہیں رہا۔ لندن میں قائم ایک تھنک ٹینک، انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ فار اسٹریٹیجک اسٹڈیز، کے مطابق تہران پراکسیوں کا استعمال بڑی مہارت سے کر رہا ہے۔ یہ عمل اسے پیچیدہ علاقائی جدوجہد میں مقابلہ جاری رکھنے کی اجازت دیتا ہے، یہ عمل اپنی افواج کو پہنچنے والے خطرے اور نقصان کو کم سے کم کرتا ہے، جو ایران کے لئے اس کی روایتی فوج، میزائلوں یا ایٹمی پروگرام سے زیادہ اہم ہے۔ جان چیپ مین، گروپ کے ڈائریکٹر کہتے ہیں کہ "ایران لڑتا ہے اور جنگیں جیتتا ہے یہ جنگیں لوگوں کے درمیان لڑی جاتی ہے ریاستوں کے مابین نہیں۔ وہ ریاست سے جاری ریاستی تنازعہ سے یہ جانتے ہوئے کہ اس کا مقابلہ کیا جائے گا، اجتناب کرتا ہے۔ اس کے بجائے وہ غیر ریاستی شراکت داروں کے ذریعے غیر متنازعہ جنگ کرتا ہے۔"[14] لوازینبیون (زینب بریگیڈ) شام میں پاکستانی شیعہ جنگجوؤں کا ایک دستہ ہے، جو دمشق میں واقع سیدہ زینب کے مزار کے دفاع کے لئے باضابطہ طور پر لڑ رہا ہے۔ لواالفاطمیون (شام میں افغان شیعہ دستہ) منظم کرنے والوں نے پاکستان میں مقیم افغان شیعہ کے ساتھ ساتھ پاکستانی شیعہ کی اپنی جانب توجہ مبذول کی ہے۔ شام میں ایران اور لواالفاطمیون کے ساتھ روابط کے شواہد ملے ہیں جیسا کہ حال ہی میں ایران میں لوازینبیون کے جنگجوؤں کے جنازے کے کچھ ثبوت سامنے آئے ہیں۔ پاکستانی شیعوں نے ظلم وستم برداشت کیا تھا۔ شیعوں کی فرقہ وارانہ نسل کشی کے خطرہ کے تحت جنگجوؤں کی بھرتی کی گئی۔ اس سے ایران کو اپنے مقاصد کے حصول میں بڑی مدد ملی۔[15] تخریب کاری کا کڑوا پھل امت مسلمہ کو کھانا پڑ رہا ہے۔ ابتداء کرنے والے کے ہاتھ میں نتیجہ نہیں رہتا۔ انسانی فطرت کے مطابق بدلے کی آگ چین نہیں لینے دیتی، جیسا کہ سعودی عرب کی طرف سے ایرانی علیحدگی پسندوں کو اسلحہ کی فراہمی اور محمد بن سلمان کی طرف سے ایران کے اندر لڑائی منتقل کرنے کی دھمکی سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح ہنگامہ برپا ہو سکتا ہے؟ جس سے موجودہ مسئلہ ایک مکمل تنازعہ کی طرف بڑھ سکتا ہے۔[16]

ناصبیت کا پھیلتا ہوا ناسور

حضرت علی کے معاون و مددگار مخلص صحابہ و تابعین شیعہ کہلاتے تھے، جو شہادتِ عثمان کے بعد آپ کی اطاعت فرض قرار دیتے تھے۔ ان کے مطابق حضرات طلحہ وزبیر برے نہ تھے لیکن امیر معاویہ اور ان کا لشکر باغی و خطاوار تھا۔ آپ پر جان فدا کرنے والے ان مخلص شیعہ کے علاوہ شیعہ تفضیلیہ بھی تھے، جو آپ کو تمام صحابہ کرام میں افضل مانتے تھے۔ جب شیعہ تبرائیہ، شیعہ سبائیہ اور آپ کی الوہیت اور حلول کا عقیدہ بیان کرنے والے شیعہ غلاۃ نے، حب علی کا دم بھرتے ہوئے، صحابہ کرام اور امہات المؤمنین کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا، تو شیعہ مخلصین خود کو اہل سنت وجماعت کہلانے لگے، جنہیں تبرائیہ وغلاۃ

نے شیعہ ماننے سے انکار کر دیا تھا۔[17] مئی 2017ء کے اوائل میں ایک انٹرویو میں سعودی ولی عہد شہزادہ محمد بن سلمان نے کہا کہ ایرانی حکومت نے ایک انتہا پسندانہ نظریہ اپنایا ہے اور تہران مسلم دنیا پر کنٹرول حاصل کرنا چاہتا ہے، نیز ایرانی حکومت مہدیؑ کے دوبارہ ظہور کا منظر سیٹ کرنے کی خواہشمند ہے۔[18] ایران اور سعودیہ کی کھینچاتانی عجب گل کھلا رہی ہے۔ عمل و ردِ عمل گویا دونوں فریقوں کو کربلا کے محاذ کی طرف لے جارہا ہے۔ اسی ردِ عمل کی بازگشت پاکستان میں بارہویں امامؑ کے پوسٹ مارٹم کی جسارت کے تقریری عنوانات میں دیکھی گئی، اور اب ایک علمی ادارے کے تحقیقی مضامین اور تحقیقی سوالات معاملے کی سنگینی کو بخوبی واضح کرتے ہیں:

1-امیر یزید اور حدیث الخلافۃ ثلاثون عاما۔

1-کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کو امیر المومنین کہنے والی روایات ضعیف ہے؟

1-قسطنطنیہ کے غزوہ میں امیر یزیدؒ کی بہادری!

1-امیر المومینن یزید رحمہ اللہ۔

1-امیر یزید کی بیعت سے بعض صحابہ کا اختلاف اور اس کی نوعیت

1-امیر المومنین وکاتب وحی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔[19]

مسلم ممالک کی قائدانہ صلاحیت کی آزمائش

اکیسویں صدی کو امریکہ نے اپنے نام کرنے کی ابتداء جنگوں کے نہ تھمنے والے منحوس سلسلے سے کی۔ اکیلے افغانستان کو سزا دینے کے لیے ساری دنیا امریکہ کے ساتھ تھی، پھر عراق کی باری آئی تو اس مستحکم ملک کی بربادی کے لیے 2003ء میں واشنگٹن نے آمرانہ ریاست کے تین بڑے ستونوں کو توڑنے کا انتخاب کیا۔ ان ستونوں یعنی حکمران بعث پارٹی پر پابندی، فوج کی تحلیل اور پارٹی کے ممبران کی تجربہ کار بیوروکریسی کا خاتمہ امریکی پالیسی تھی۔[20] مشرق وسطیٰ ایک کثیر قطبی خطہ ہے۔ اس میں قائدانہ صلاحیت کا میرٹ ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنا ہی رہ گیا ہے۔ یہاں کی سیاست میں متعدد اہم علاقائی طاقتیں کام کرتی ہیں، جیسے ایران، سعودی عرب، ترکی، اسرائیل اور مصر وغیرہ۔ اگر ان میں سے ایک غالب طاقت کے طور پر ابھرتی دکھائی دیتی ہے، تو باقی اس کے خلاف توازن قائم کرنے، اور اس کی طاقت کی نشوونما کو محدود کرنے کے لئے کام کریں گے۔[21] خلافت کے اجتماعی ادارے کے تحت علاقائی مسائل دبے رہتے تھے۔ تب دیگر اقوام اور سلطنتوں کی دخل اندازی کی گنجائش نہ تھی، لیکن جب اپنوں نے اغیار کو دخل اندازی کا موقعہ دیا، تو انہوں نے اپنے چہیتوں کو بھی برائے نام خلافت کی بحالی کی اجازت نہ دی۔ اب امت مسلمہ کی قیادت اور حرمین شریفین کی نگہبانی ایک ایسی قیادت کے ہاتھ میں ہے جو اسلام کے گھر میں آزادی، روشن خیالی، حقوق نسواں اور مساوات کے مغربی تصورات کو داخل کر رہی ہے۔ ہمارے مردم خیز علاقے شام، عراق اور افغانستان کھنڈر کا منظر پیش کر رہے ہیں، اور زخموں پر نمک چھڑکنے کے لیے برج الخلیفہ، مکہ ٹاور اور جدہ ٹاور کے تعمیری اقدامت کیا کم تھے کہ خلیج عقبہ میں سعودی، مصری اور اردنی سرحد پر سہ ملکی شہر تعمیر کرنے کے نصف ٹریلین ڈالر کے اقدامات کی نوید دی جارہی ہے، جس کے بارے میں امکان ظاہر کیا جاتا ہے کہ ریاض اسرائیل کو تسلیم کرے گا اور تل ابیب کو نیوم نامی اس منصوبے میں اشتراک کی اجازت دے گا۔[22]

لسانیت اور فرقہ بندی کی منافقانہ آمیزش

اہل تشیع میں بھی علاویہ نامی غالی شیعہ فرقے کے عقائد کو کفریہ کہا جاتا تھا۔ مغرب کی دوستی نے مسلمانوں کو جسدِ واحد کی بجائے موقعہ پرست بنا دیا ہے۔ مغرب میں ایک صدی اور تین دھائیوں کی علاقئی جنگوں کی تاریخ اپنے ہاں دوہرانے کی کیا ضرورت ہے؟ مغرب سے سیکھنا ہی ہے تو یورپی یونین کی اجتماعیت کو کیوں نہ سیکھا جائے؟ جب 1980ء کی دہائی میں عراق نے ایران کا مقابلہ کیا، تو عراق کے عرب حامیوں نے عرب بمقابلہ فارسی قوم پرستی کی لڑائی لڑی۔ علوی شامی حکومت عرب ہے جو اسرائیل کے خلاف عرب قوم پرستی کو مقصد بناتی ہے۔ اس نے اسلامی جمہوریہ ایران کا ساتھ دیا۔ اسی صف بندی کی خیر سگالی میں بیشتر شیعہ مذہبی اسکالر رطب اللسان ہیں۔ شیعہ سنی تنازعہ نے انہیں، علویوں کو صرف شیعہ کے طور پر دیکھنے کا خوگر بنا دیا ہے۔[23] ریاض اور تہران طاقت کے توازن کا کھیل کھیلتے ہوئے ایک طرف فرقہ واریت کا کارڈ استعمال کر رہے ہیں، لیکن دوسری جانب دونوں نے علاقائی اتحادیوں کی تلاش میں فرقہ وارانہ سرحد بھی ضروری نہیں سمجھی، جیسے ریاض نے 2005ء اور 2010ء کے عراقی انتخابات میں ایاد علاوی کی سربراہی میں عراقی پارٹی کی بھرپور حمایت کی۔[24]

عراقی وزیر اعظم نوری المالکی کو اپنے اتحاد میں شیعہ اتحادیوں سے نبرد آزما ہونے میں تقریباً اتنے ہی مسائل درپیش تھے جتنا انہیں عراقی پارلیمنٹ میں سنی اور کرد دھڑوں کے ساتھ تھے۔[25] مسلمانوں نے جب سے استنبول کی جمع کو ٹھوکر ماری ہے تب سے تفریق اور تقسیم میں ان کی دلچسپی بہت بڑھ گئی ہے۔ فلسطینیوں کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے، اور عرب دنیا میں ایران کی رسائی کا ناطقہ بند کرنے کی کوشش میں، سعودی عرب کے شاہ عبداللہ فروری 2007ء میں حماس اور الفتح کے رہنماؤں کو مکہ میں لے آئے۔ جون 2007ء میں ہونے والی لڑائی میں حماس نے غزہ پر کنٹرول حاصل کر لیا جبکہ الفتح نے مغربی کنارے میں اپنا کنٹرول برقرار رکھا۔[26]

ملی قیادت کا بحران

ہر گذرتے دن امت مسلمہ قیادت کے معیار سے تنزل کا شکار ہے۔ چھے روزہ 1967ء کی جنگ میں جمال عبد الناصر کی شکست نے بھی ان کا مقام اتنا نہیں گرنے دیا تھا، جب غرب اردن اور گولان کی پہاڑیاں اسرائیلی قبضے میں چلی گئی تھیں، لیکن اسرائیل سے تعلقات بنانے کا قدم نہیں اٹھایا گیا تھا۔ 1973ء کی رمضان جنگ کے ہیرو انور سادات کو قیام امن کے لیے اسرائیل سے سفارتی تعلقات اور کنیسٹ سے خطاب کی وجہ سے تہہ تیغ کر دیا گیا، جن کا کہنا تھا کہ ہم اسرائیل سے تو لڑ سکتے ہیں، امریکہ سے نہیں۔ اکتوبر 1973ء میں ہونے والی جنگ کے نتیجے میں مصری اسرائیلی امن قائم ہوا۔ اس کے بعد لبنان پر اسرائیلی حملہ ہوا جس نے ایک غیر سرکاری عرب تنظیم فلسطینی لبریشن آرگنائزیشن (پی ایل او) کو پروان چڑھایا۔ ایران اور عراق نے اپنی آٹھ سالہ جنگ لڑی، جس کے بعد کویت پر عراق نے دھاوا بول دیا۔ اس کے بعد 1991ء کی خلیجی جنگ نے کویت کی خود مختاری بحال کی۔ اس جنگ کے بعد عرب اسرائیل مذاکرات کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اس کی وجہ سے 1994ء میں اردن اسرائیل امن قائم ہوا اور 1990ء کی دہائی کے آخر میں ہنگامہ خیز اسرائیل اور پی ایل او مذاکرات ہوئے۔ ایک اہم عرب غیر ریاستی اداکار القاعدہ کو عرب دنیا سے بہت دور، افغانستان میں اڈہ تلاش کرنا پڑا، جہاں سے نائن الیون کے حملوں کے مبینہ منصوبے کی سزا کشمیر، میانمار اور فلسطین کے مظلوموں کو ملی۔ او آئی سی کو عالمی طاقت کا مرتبہ دینے کی ضرورت تھی۔ اس سے

خلافت کا خلاء پر ہو سکتا تھا۔ مسلمان لیڈر امت مسلمہ کے اتحاد کی سوچ سے عاری ہیں، اور اردو محاورہ کے مطابق سمجھتے ہیں کہ ہم بھی ہیں پانچ سواروں میں۔ غزہ میں حماس اور لبنان میں حزب اللہ کی عوامی حمایت عزیمت کی وجہ سے ہے، جو پی ایل او پر بھاری پڑ رہی ہے۔ اس کے عظیم قائد یاسر عرفات کو دیوار سے لگا کر 1988ء میں مغرب نے اسرائیل کو تسلیم کرایا تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ امت مسلمہ کی حقیقی قیادت وہی ہو گی جو ملی امنگوں پر پورا اترنے کے لیے تا مرگ یکسو رہے گی۔ نصف صدی قبل ایک عرب بہار عربوں میں نشاۃ ثانیہ کی لہر بن کر اٹھی تھی۔ تب بعث پارٹیاں انقلاب کے درپے ہوئی تھیں۔ اس سے بھی پہلے عثمانیوں کے خلاف عرب قومیت کے جذبے ابھرے تھے۔ ان کا رخ اتحادی عالمی طاقتوں کے مخفی کرداروں نے خلافت عثمانیہ سے نجات کی طرف پھیر دیا تھا، لیکن وقت نے ثابت کیا کہ یہ سب خزاں تھیں۔

نام نہاد اسرائیل کو نوازنے کی صلیبی تیاری

تل ابیب کے صہیونی یہودی سنی نیٹو کیمپ میں آنا چاہتے ہیں، جبکہ سیفرا ڈیم یہودی اصفہان میں ڈیرہ ڈالے بیٹھے ہیں۔ یوں اوس و خزرج قبائل کے حلیف یثرب کی یہودی تاریخ بڑے پیمانے پر دوہرائی جارہی ہے۔ تنازعات میں گھرے خطے میں مشترکہ مفادات کے حصول کے لیے فریقین نے فرقہ وارانہ حد بندی عبور کرلی، تو اگلے مرحلے کے لیے صف بندی مغربی خواہشات کے مطابق ہو رہی ہے کہ سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، اور اسرائیل پر مبنی روایتی مغربی اتحادیوں کی ایرانی نیٹ ورک کے ریاستی اور غیر ریاستی کارکنوں سے محاذ آرائی مشرق وسطیٰ کی مرکزی جنگ کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ خلیج تعاون کونسل کی ریاستیں اور اسرائیل، شراکت داروں کے نیٹ ورک کے ذریعے ایران کے فوجی اثر ورسوخ کو اپنی سلامتی کے لئے براہ راست خطرے کے طور پر دیکھتے ہیں۔[27] مغرب کے ہاتھوں کابل اور بغداد کی سنی حکومتوں کے آناً فاناً خاتمے اور شام کی بھاری سنی اکثریت پر مسلط غالی حکومت کے انہدام کی بادلِ نخواستہ جنگ نے ایران کو پیشقدمی کے مواقع دیئے تھے، جسے وہ ہاتھ سے جانے نہیں دے رہا اور بڑی خود اعتمادی سے آگے ہی آگے بڑھتا چلا جارہا ہے۔ اس کے رد عمل میں 2015ء میں شروع ہونے والی یمن میں تازہ ترین سعودی فوجی پیشقدمی ایران کے لئے ایک نیا نقطہء آغاز تھا، جس نے مبینہ طور پر بیلسٹک میزائل ٹیکنالوجی کی منتقلی کی اور دیگر فوجی امداد کے ذریعے حوثی جنگجوؤں کے لئے اپنی امداد میں اضافہ کیا۔[28] حرمین شریفین کے حصول کی کاوش میں مگن ایران میں اب بھی مرگ بر امریکا کے نعرے لگتے ہیں اور جمعۃ الوداع کو یوم القدس کے طور پر منایا جاتا ہے۔ ایسے میں ایران طاغوتی مکر و فریب سے بے خبر ہے یا اس نے آنکھیں بند کرلی ہیں؟ وہائٹ ہاؤس اسرائیل اور سنی خلیجی ریاستوں کے ایران مخالف مستحکم محاذ کو ان کے باہمی تعلقات کو معمول پر لانے کے لئے ایک اہم امکانی راستہ کی حیثیت سے دیکھتا ہے، جس سے اسرائیل کے لیے ساز گار ثابت ہونے والے فلسطینی امن معاہدے کی طرف پیشرفت کی راہیں کھلنے کا امکان ہے۔[29]

اسلام پسند سیاست پر قدغن

مسلم حکمرانوں کو ہر وہ شخص اور تنظیم دشمن دکھائی دیتی ہے جو کبھی ان کے اقتدار کے لیے خطرہ بن سکتی ہے۔ آزاد منش اور گناہگار قطر دنیا کے نقشے پر ایک نقطہ کی مانند ہے، جسے سارے عرب مل کر بھی فتح کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اکتوبر 2012ء میں شیخ حماد بن خلیفہ نے حماس کے زیر کنٹرول غزہ کا سرکاری دورہ کیا تھا اور کروڑوں ڈالر کی امداد دی تھی۔[30] امریکی یک قطبی نظام کے جاری کردہ نیو ورلڈ آرڈر کے مقاصد کے طور پر فوجی، سیاسی اور اقتصادی حکمت عملی سے عالمی طاقتوں کے تسلط میں

اضافہ کرنا، مسلمانوں کو نقصان پہنچانا، اسلام کے اثر و نفوذ کو روکنا، اسلام پسند عناصر کی تعلیمی اور ذرائع ابلاغ تک رسائی سے روک پیدا کرنا، اسلام پسند قیادت پر نظر رکھنا اور اختلافات کو اچھال کر تفریق پیدا کرنا، رائے عامہ کو علماء و مشائخ سے متاثر نہ ہونے کے اسباب بڑھانا، اسلامی ممالک کی بجائے فلپائن، سری لنکا اور تھائی لینڈ کی افرادی قوت کو خلیجی ممالک میں کھپانے کی تدبیر کرنا، صرف جغرافیائی حدود کی حفاظت کیلئے فوجی قوت کی اجازت دینا اور ہیٹی ہتھیاروں کو ختم کرنا وغیرہ جیسے اقدامات تجویز کئے گئے تاکہ عالم اسلام مفلوج ہو کر ان کے رحم و کرم پر رہ جائے۔[31] سعودی ایران اکھاڑے سے باہر بھی متنازعہ اثر و رسوخ کے حامل محور موجود ہیں۔ سعودی عرب اخوان المسلمون اور کسی حد تک اس کے ریاستی سرپرست کی حیثیت سے قطر کے ساتھ مقابلے کی فضاء بنائے ہوئے ہے۔ سعودیہ کو اخوان المسلمون کی ایک اور علاقائی اتحادی ترکی کی برسر اقتدار جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی کے علاوہ، مصر کی النور سلفی پارٹی اپنے سیاسی اسلامی نظریہ کی وجہ سے ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ داعش کی اسلامی ریاست گویا اس کی نظریاتی ہم منصب ہے، جبکہ سعودیہ اور جہادی و سلفی پس منظر والے دوسرے سنی گروہ ایک تنازعہ میں گھرے ہوئے ہیں۔[32] شام میں سعودیوں نے باغی گروپوں میں سے فری سیرین آرمی کے علاوہ ان دوسرے گروہوں کی سرپرستی کی جنہوں نے اخوان المسلمون سے اپنا فاصلہ برقرار رکھا تھا۔[33] یہ دیکھتے ہوئے کہ یہ آرمی مطلوبہ نتائج نہیں دے رہی، سعودیہ نے فرقہ وارانہ سلفی لڑاکا گروپوں کی حمایت کا فیصلہ کیا، جنہوں نے 2013ء میں اسلامی محاذ تشکیل دیا، لیکن پھر بھی القاعدہ سے منسلک النصرہ فرنٹ اور دولتِ اسلامیہ جیسے سنی لڑاکا گروپوں کی پشت پناہی کرنے سے سرِعام انکار کرتا ہے۔[34] یہ گروہ مغرب کی نظر میں دہشت گرد ہیں اور ملوکیت کا تختہ الٹنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کا نام سن کر عام مسلمان کی ایمانی فراست اور چھٹی حس بیدار ہو جاتی ہے۔

حرمین شریفین جنگ کی لپیٹ میں

نبی اکرم ﷺ نے خلیفہ چہارم کو کسی دوسرے صحابی کی کمان میں کبھی روانہ نہ فرمایا، اور جب ساتھ نہ لیا تو مدینہ میں آپ کو ہی اپنا نائب بنا کر رکھا۔ آپ کی مدینہ منورہ سے محبت کسی سے کم نہ تھی، لیکن آپ نے دار الخلافہ مدینہ منورہ سے کوفہ منتقل کر دیا تھا۔ نبویؐ تربیت سے پائی مومنانہ فراست سے ایسا فیصلہ کرنے سے مدینہ منورہ بے حرمتی سے محفوظ ہو گیا تھا، لیکن جب حضرت عبداللہ بن زبیر ایسا نہ کر پائے، تو اپنی جان کے ساتھ ساتھ کعبہ کی حرمت کی حفاظت نہ کر سکے، نیز یزیدی ٹولے کو واقعہ حرہ کا موقعہ ملا۔ قبل ازیں حضرت حسین بہت بڑے سانحے سے شہید ہوئے لیکن آپ نے بھی حرمین شریفین سے کوفے کا عزم کیا تھا۔ امام حسین کا خروج خلافت راشدہ کے دعوے کے ساتھ نہ تھا بلکہ وہ رعایا کو یزید کے پنجۂ ظلم سے بچانے کے لیے گئے تھے، تاکہ اس کا تسلط جمنے نہ پائے، کیونکہ اب تک اس کا پورا پورا تسلط ہو نہیں پایا تھا، اور اہل مکہ و مدینہ و کوفہ نے بھی اس سے برضا و رغبت بیعت نہ کی تھی۔[35] حکم نبوی ﷺ کے مطابق سیدنا علی المرتضیٰ غزوہ خیبر میں یہود کے مضبوط ترین قلعے پر حملہ آور ہوئے۔ اپنی آرزو کے مطابق آپ اپنے دورِ خلافت میں دشمنانِ اسلام سے برسرپیکار نہ ہو سکے۔ آپ داخلی بحرانوں میں گھرے رہے، آپ کو خوارج اور سبائیوں جیسے انتہاء پسندوں کی ریشہ دوانیوں کے علاوہ، حزبِ اختلاف نے جنگوں میں مصروف رکھا۔ آپ کی شہادت کے بعد پے در پے سادات کرام کی شہادتیں بہت پر اسرار ہیں۔ حضرت حسن نے مسلمانوں کے باہمی اختلاف کے خاتمے کے لیے دستبرداری ضروری سمجھی، لیکن عصر حاضر میں احیائے خلافت کی ضرورت شدت سے محسوس ہوتی

ہے، خصوصاً سقوطِ استنبول کے بعد مسلم ممالک کے حکمرانوں کی نااہلی نے اس کی احتیاج بڑھادی ہے، جن کے اقدامات سے یہود و نصاریٰ کی حرمین تک رسائی ممکن ہوئی ہے۔ امن کے ادوار میں حضرت عمر بن عبد العزیز مثالی حکمران ثابت ہوئے ہیں لیکن موجودہ بدامنی کے دور میں سلسلہ خلافت وہیں سے جڑنا ضروری ہے جہاں سے حضرت حسن نے دستبرداری کی تھی۔ حضرت حسن کی دستبرداری سے سلسلہ منسلک کرتے ہوئے امام مہدیؑ بھی لڑائی حرم سے باہر لے جائیں گے، کیونکہ سادات کے پیشِ نظر ہمیشہ یثرب کو خرابی سے بچاکے رکھنے کی آرزو رہی ہے، جو طاغوتی قوتوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتی، جنھیں پتہ ہے اور سلطان صلاح الدین ایوبی بھی جانتے تھے، لیکن آج کے مسلمان حکمران اس نکتے کو نہیں سمجھتے کہ حرمین شریفین سے لڑی دور رکھنے میں تیسرے حرم کی آزادی کا راز مضمر ہے۔ روافض کی سوچ سے بالا ہو کر امام مہدیؑ روضہ اطہر پر آپ ﷺ اور شیخین کریمین کو سلام کہہ کر مدینہ منورہ سے الوداع ہوں گے۔ آپ یکسوئی سے بیرونی محاذ پر توجہ مبذول کر دیں گے، تو دجال اکبر غصے سے بپھر کر نکل آئے گا جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے کہ بیت القدس کی آبادی یثرب کی ویرانی ہے، اور یثرب کی ویرانی ملحمۃ الکبریٰ کا پیش خیمہ ہے، اور ملحمۃ الکبریٰ قسطنطنیہ کی فتح ہے، اور قسطنطنیہ کی فتح دجالِ اکبر کا خروج ہے۔[36]

حریت پسندی کو دہشت گردی قرار دینا

مقبوضہ لداخ کو جموں کشمیر سے الگ یونین کا درجہ دے دیا گیا ہے، جہاں موجودہ کشیدہ حالات میں بھی اسرائیلی سیاحوں کا تانتا بندھ گیا تھا، اور عبرانی زبان میں ہوٹلوں میں رہنمائی دستیاب تھی۔ عالمی طاقتوں کے مفادات اور صہیونی عزائم کے تناظر میں عالم اسلام کی حالت دگرگوں ہے۔ ایسے میں کمزور پڑتے مسلم ممالک کی کارکردگی کو عسکریت پسندی نے طشت از بام کر دیا ہے۔ ایک سینئر ہندوستانی سفارتکار نے ہندوستان کے زیر انتظام کشمیر میں "اسرائیلی ماڈل" اپنانے کا مطالبہ کرتے ہوئے تنازعہ کھڑا کر دیا ہے، جو اب کئی مہینوں سے ایک مفلوج فوجی تالا بندی اور انٹرنیٹ کی بندش کی زد میں ہے۔[37] سوویت یونین سے برسرپیکار افغان اور چیچن مجاہدین، آزادی فلسطین اور آزادی کشمیر کیلئے سرگرم عمل مجاہدین، حریت پسند کہلاتے تھے، لیکن ان کا اب کوئی پرسانِ حال نہیں۔ عسکریت پسندی کے پیدا کردہ مسائل نے مسلم ممالک کے پاؤں ڈگمگا دیئے ہیں۔ حتیٰ کہ حریت پسندی کی سفارتی، سیاسی اور اخلاقی مدد قصہ پارینہ دکھائی دیتی ہے۔ مسلم ممالک کے سرحد پار تعلقات میں فقہائے اسلام کا فہم نص بالکل واضح ہے جس کی عصر حاضر میں مزید تحقیق کی ضرورت ہے:

> "(سورۃ الانفال:72) کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایسی مدد نہیں دی جاسکتی، جو جنگی امداد کی حد تک پہنچتی ہو، اوران کی حمایت میں کوئی ایسا قدم بھی نہیں اٹھایا جاسکتا، جو بیجا مداخلت کی تعریف میں آتا ہو۔ لیکن اس کے معنی یہ بھی نہیں ہیں کہ اگر دارالکفر کے مسلمان رعایا پر ظلم ہو رہے ہوں، تو دارالاسلام کے مسلمان اسے ٹھنڈے دل سے دیکھتے رہیں، نہیں! وہ بس اپنا عہد نہیں توڑ سکتے، اس کے ماسوا وہ اپنے مظلوم بھائیوں کی اخلاقی، مادی اور سیاسی امداد کیلئے وہ سب کچھ کر سکتے ہیں (اور ایسا انہیں کرنا چاہیئے) جس کی گنجائش معاہدات میں اور دنیا کے معروف بین الاقوامی تعامل میں ہو۔"[38]

اعلائے کلمۃ الحق میں روز افزوں مشکلات

خلافت راشدہ کے عدم تسلسل کی وجوہات میں سے ایک اہم وجہ خوارج کی عسکریت پسندی ہے۔ اموی خلفاء کے ہاتھوں سیدنا امام حسین کی مظلومانہ شہادت اور سیدنا عبداللہ بن زبیر کی حرمین کی حکومت حاصل کرنے کے بعد شہادت، کے سانحات سے جمہور علمائے امت نے عسکریت پسندی سے پہلو تہی کی فکر پروان چڑھائی۔ نتائج کے لحاظ سے غیر یقینی خونی انقلاب سے نقصانات کے اندیشوں کو فراموش نہ کیا گیا۔ تخریب کاری ہونے سے تعمیر مملکت سے توجہ ہٹنے اور ایسے جنم لینے کے خطرات سے یہ فکر مقبول عام ہوئی۔ تب سے سنی العقیدہ، حنفی المذہب نظام خلافت عالمی طاقت کے روپ میں نمایاں رہا۔ جس کے عدم استحکام کیلئے حشیشین اور قرامطہ جیسے اقلیتی گروہ دہشت گردی کرتے رہے۔ علمائے اسلام نے انبیاء کرامؑ کے نقش قدم پر جابر حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق کہنے کو اپنا فرض منصبی سمجھا ہے۔ امام احمد بن حنبل کی عزیمت واستقامت ضرب المثل ہے۔ آپ نے ہمیشہ حکمرانوں کے مدمقابل عسکریت پسندی کی مخالفت کی حتیٰ کہ خلیفہ واثق باللہ کی بداعمالیوں اور ظلم و ستم سے تنگ آمد بجنگ آمد کی حالت میں بھی آپ کی نصیحت تھی کہ دل سے برا جاننے کو لازم رکھو، لیکن حاکم کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچو۔ مسلمانوں کو مشقت میں نہ ڈالو اور اپنا خون بہاؤ، نہ اپنے ساتھ مسلمانوں کا۔ انجام کار پر نگاہ رکھو، صبر کرو جب تک کہ نیک آرام پائیں یا بد سے آرام آجائے۔ جائے صبر میں بے صبری آثارِ سلف کے خلاف ہے۔[39]

رافضیت کی بدنیتی کا الوہی انتباہ

ایران عالمی تنہائی سے نکلتا دکھائی دیتا ہے۔ اس کا اثر ورسوخ اسرائیل کی سرحدوں تک چلا گیا ہے۔ رافضیت کے حرمین کے محاصرے کے خوف سے ناصبیت یہود سے قریب تر ہو رہی ہے۔ ایسے میں رنگارنگ جھنڈوں کی عسکریت پسندی سے پیدا شدہ فتنہ انگیز حالات سفیانی کے خروج کا طبل بجا رہے ہیں، جس سے خون آشام شام جیسے حالات جابجا دکھائی دینے کے خطرات ہیں۔ امام نعیم بن حماد رقمطراز ہیں کہ سفیانی سب سے پہلے کالے جھنڈوں والوں اور زرد جھنڈے والوں کے ساتھ لڑے گا۔ اس کا خروج بیسان کے مشرقی علاقہ المندرون سے ہوگا، وہ تاج پہنے، ایک سرخ اونٹ پر سوار ہوگا۔ ایک جماعت کو دو مرتبہ شکست دینے کے بعد وہ مر جائے گا، وہ جزیہ قبول کرے گا، بچوں کو قیدی بنائے گا اور حاملہ عورتوں کے پیٹ پھاڑے گا۔[40] حسنِ ظن رکھتے ہوئے امید ہے کہ ایران بیرونی خراسان سے لے کر صہیونی سرحد تک پھیلے ہوئے اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کرتے ہوئے، یروشلم آزاد کرانے میں کامیاب ہو جائے گا، اور القدس کی منزل کی راہ ہموار کرنے کے لیے اس نے یہ سب کچھ کیا ہو گا، لیکن اگر اس کا مطمع نظر حرمین شریفین کا حصول ہے، تو الوہی کوڑا سفیانی کے روپ میں بہت بڑے سانحے کو جنم دے گا، جس میں اہل بیت کے نام سے منسوب نام والے شناختی کارڈ کے حامل تہ تیغ کیے جائیں گے۔ ایک عام مسلمان نے اپنی تلوار نیام میں کر لی ہے، وہ جنت کے نوجوانوں کے سرداروں کے جھنڈے تلے قیامت کو کھڑا ہونا پسند کرتا ہے۔ وہ اپنے بچوں کے نام اہلِ بیت سے موسوم کر رہا ہے، لیکن ایران کو جان لینا چاہیئے کہ اس کی پھرتیوں نے یزید کے وکیل بنا لیے ہیں، جن کے سفیانی جھنڈے کو امام مہدیؑ کے علاوہ کوئی نہ سرنگوں کر سکے گا۔ ہونی ہو کر رہتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری رسول ﷺ کی جانب سے ٹائم فریم نہ بتانے کی وجہ سے ہمیں چاہیئے کہ مل جل کر کشیدگی کے خاتمے اور سانحات کو ٹالنے کی تدابیر اختیار کریں۔ مسلمان حکمرانوں نے عصر حاضر میں خلافتِ راشدہ کے قیام کی امید کو موہوم کر دیا ہے، حالانکہ اتحادِ امت کی ہمیشہ کی طرح اب زیادہ ضرورت ہے جیسا کہ ہمارے دردمند اکابر خواہش کیا کرتے تھے:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلیئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر[41]

خلاصۂ بحث

عصر حاضر میں امت مسلمہ اپنی مرکزیت کھو چکی ہے، خلافت کا عالمی نظام نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو بڑے مسائل در پیش ہیں۔ اس وجہ سے مسلم ممالک تقسیم در تقسیم ہوئے، اور ان پر حکمران اپنی قائدانہ صلاحیت کے لحاظ سے آزمائش میں پڑ گئے ہیں۔ ان سلاطین میں کوئی ملی قیادت کی اہلیت نہیں رکھتا، اور یوں امت کا عالمی سیاست میں کردار ختم ہو گیا ہے۔ اس بحران کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ اسلام پسند سیاست جمہوریت یا کسی بھی طرح اقتدار پر براجمان نہیں ہونے دی جاتی۔ مغرب ہماری پالیسیوں میں دخیل ہے، یوں مسلم فکر کو اعلائے کلمۃ الحق میں روز افزوں مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ مغرب کی ایماء پر جو قیادت سامنے آتی ہے، ان کا طرز عمل عجیب ہے، وہ گویا اغیار کے مہرے ہوتے ہیں، اور اسی میں وہ اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔ اس وجہ سے عالمی طاقتیں من مانی کر رہی ہیں۔ وہ اپنے مفادات کے مطابق مسلم علاقوں کی بندر بانٹ کرتے چلے جا رہے ہیں۔ مغرب نے اپنے مفادات کے مطابق صہیونی ریاست کے قیام میں اعلانیہ مدد کی۔ اس نام نہاد اسرائیل کی ریاست کو نوازنے کے لیے مغرب اپنے صلیبی دور کی مسلم دشمنی کے لیے بالکل تیار ہے۔ دوسری جانب مسلم ممالک مختلف نعروں سے باہمی سرد جنگ میں مبتلا ہیں۔ ایسی کشیدگی سے ان کو کچھ حاصل نہیں ہو رہا، بلکہ الٹا ان ممالک کا کھوکھلا پن آشکار ہو رہا ہے۔ اس دور میں مسلمان باہمی نفاق کا شکار ہیں، اور ان میں باہمی بغض وعداوت کی لہر بڑھ گئی ہے۔ باہمی انتشار اور مغرب کی جنگوں کا میدان بننے والے مسلم ممالک بہت مستحکم تھے۔ اب وہ تخریب و انتشار کا شکار ہیں۔ کہیں مسلمان لسانیت کے جھگڑوں میں ملوث ہیں اور زیادہ تر وہ فرقہ بندی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اس وجہ سے ان میں منافقانہ رویے سرایت کر رہے ہیں۔ اس دور میں شیعہ کی مخالفت میں کچھ لوگ ناصبیت کو ہوا دے رہے ہیں۔ مغرب نے سنی علاقوں کو تہس نہس کیا، تو شیعیت کو پنپنے کا خوب موقعہ ملا۔ اس دوران رافضیت بھی بہت عام ہوئی۔ اس وجہ سے حرمین شریفین تک جنگ جانے کے خطرات پیدا ہو گئے ہیں۔ اس وجہ سے بہت زیادہ خطرات کا اندیشہ ہے، جیسا کہ مسلم روایات میں اس بارے میں متنبہ کیا گیا ہے۔

References

[1] Athanasopulos, *Greece, Turkey and the Aegean Sea*, (McFarland & Co. 2001), chap 3
[2] *UN Security Council Resolution 395*, UN Doc S/12167
Aegean Sea Continental Shelf, Interim Protection, Order of Sept. 11, 1976, ICJ Rep 3.
[3] Bernard Lewis, *The Emergence of Turkey*, (Londom: Oxford University Press, 1968), p 28.
[4] Rashdi, Abu Ammar Zahid, *Khilafat e Usmaniya ka Khatima- Arbon ka Bartaniya k Sath tawan*, Retrieved November28, 2019, from http://zahidrashdi.org/914
[5] Jerimi bowin, *Who Jis nw Mashriq e Wusta kw Badal kr rakh dia*, Retrieved November28, 2019, from https://www.bbc.com
[6] *Balfour Decleration*, Retrieved November 28, 2019, from https://www.britannica.com
[7] Nabeel Khoury, *The Arab Cold War Revisited: The Regional Impact of the Arab Uprising*, (Middle East Policy 20, no. 2, Summer 2013), 73-87.

[8] Malcolm Kerr, *The Arab Cold War: Gamal Abd al-Nasir and His Rivals*, 1958-1970, (Oxford: Oxford University Press, 1971), 31.
[9] *How Saudi Arabia failed to protect itself from drones' missile attacks*, Retrieved November28, 2019, from https://www.cnbc.com.html
[10] Jeffrey Feltman, *The Only Way to End the War in Yemen*, Saudi Arabia Must Move First, Retrieved November26, 2019, from https://www.foreignaffairs.com
[11] *The deal of the century is already on the ground before being on paper*, Retrieved November28, 2019, from https://www.opendemocracy.net
[12] *Details of Deal of the Century leaked* by Israeli Newspaper Retrieved November28, 2019, from https://www.jpost.com
[13] Dima Adamsky, *How Russia Shapes the Middle East*, Yedioth Ahronoth, Retrieved November28, 2019, from http://www.mideast-mirror.com
[14] *Iran winning middle east struggle with its use of proxies*, Retrieved November28, 2019, from https://www.timesofisrael.com
[15] *Liwa Zainebiyoun*, Retrieved November28, 2019, from https://jihadintel.meforum.org
[16] *Saudi intelligence agency reportedly brought weapons into Iran*, Retrieved November28, 2019, from https://www.timesofisrael.com
[17] Rampuri, Muhammad Najm-ul Ghani, *Madahib –ul- Islam*, (Lahore: Raza Publications, 1978), 141
[18] *Mahdism and political manipulation in iran*, Retrieved November30, 2019, from https://rasanah-iiis.org
[19] *Amir Yezid aur Haidith Khilafah salason aama*, Retrieved November30, 2019, from http://forum.mohaddis.com
[20] Gause III, F. Gregory, *The International Relations of the Persian Gulf*, (Cambridge: Cambridge University Press, 2010), 155-168.
[21] L. Carl Brown, International *Politics of the Middle East: Old Rules, Dangerous Game*, (, Princeton: Princeton University Press, 1984), 41.
[22] *Saudi Arabia Might Recognize Israel Because of NEOM*, Retrieved December 01, 2019, from https://orientalreview.org
[23] Martin Kramer, *Syria's Alawis and Shi'ism, in Shi'ism, Resistance and Revolution*, (Boulder: Westview Press, 1987), 237-254.
[24] Toby Dodge, *Iraq: From War to a New Authoritarianism*, (London: International Institute for Strategic Studies, 2012), 192.
[25] Harith Hasan, *New Shia Politics and the Maliki-Sadr Competition in Iraq*, MENASource, Atlantic Council, Retrieved November28, 2019, from http://www.atlanticcouncil.org
[26] After Gaza, *International Crisis Group, Middle East Report no. 68*, 2 August 2007, Retrieved November28, 2019, from http://www.crisisgroup.org
[27] Scott Peterson, "*How Iran, the Mideast's new superpower, is expanding its footprint across the region and what it means*", Christian Science Monitor, 17 December 2017, Retrieved November28, 2019, from https://www.csmonitor.com
[28] *UN Panel of Experts report on Yemen from January 2018*, Retrieved November28, 2019, from http:// undocs.org
[29] *National Security Strategy of the United States of America*, White House, December 2017, p. 49, Retrieved November28, 2019, from https://www.whitehouse.gov

[30] Jodi Rudoren, *Qatar's Emir Visits Gaza, pledging $400 Million to Hamas*, The New York Times, Retrieved November28, 2019, from http://www.nytimes.com.html
[31] Qadri, Muhammad Tahir, *New World Order aur Aalame Islam*, (Lahore: Minhaj-ul-Quran Publications, 2013), 7.
[32] Gause III, F. Gregory, *Beyond Sectarianism: The New Middle East Cold War*, Brookings Doha Center, Doha, Qatar, Retrieved November28, 2019, from www.brookings.edu/doha
[33] Roula Khalaf, *Arms Deliveries to Syrian Rebels Delayed*, Financial Times, Retrieved November28, 2019, from http;//www.ft.com/intl
[34] Oweis, Khaled Yacoub, Saudi *Arabia Boosts Salafist Rivals to al-Qaeda in Syria*, Reuters, Retrieved November28, 2019, from http;//www.reuters.com
[35] Rampuri, Muhammad Najm-ul Ghani, *Madahib e Islam*, (Lahore: Raza Publications, 1978), 71.
[36] Abu Daud, *Al- Sunan, Baab fi amarat al_ malahim*, (Lahore: Islami Kutab Khana), Hadith No: 890, 3/282.
[37] *Anger India diplomat calling Israel model Kashmir*, Retrieved November28, 2019, from https://www.aljazeera.com/news/html
[38] Maududi, Syed Abu Al'Ala, *Al-Jihad fi Al-Islam*, (Lahore: Idara Tarjuman-ul-Quran, 2011), 245.
[39] Khilal, Abu Bakar Bin Muhammad Bin Yezid, *Al-Sunnah, Baab Alinkar ala Man Kharaj ala Al-Sultan*, (Riyadh: Dar-ul-Rayah, 1410 AH), p.133.
[40] Naeem Bin Hammad, *Kitab-ul-Ftan*, (Lahore: Al-Ilm Trust, 2015), Hadith No. 810, p. 290.
[41] Allama Mohammad Iqbal, *Bang e Durra* (Lahore: Zaka Publishers, 2009), 176.